پیش لفظ ... علم الکتاب

اٹھارویں صدی عیسوی میں جن شعراء نے اردو شاعری میں نام پیدا کیا' ان میں ایک نمایاں شخصیت خواجہ میر درد (۱۷۸۵-۱۷۱۹ء) کی ہے۔ درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب ایک پیر روشن ضمیر تھے۔ درد نے انہی سے سلوک و معرفت کی تعلیم پائی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں بہ قول محمد حسین آزاد "کسی کی ہجو سے زباں آلودہ نہیں ہوئی۔" اپنے والد کے علاوہ انہوں نے اپنے عہد سے بہت کچھ سیکھا۔

میر درد نے ایک زوال پذیر معاشرے میں آنکھیں کھولیں' جہاں اجتماعی زندگی کا توازن بگڑ چکا تھا۔ زندگی کی بلند قدریں' صحت مند روایات اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں انسانی ولولوں اور سعی و عمل کی داستاں اگلے وقتوں کی کہانیاں بن کر رہ گئی تھیں۔ مغل حکمرانوں کی نالائقیوں' پستیوں اور عیاشیوں نے نہ صرف انتشار پسند طاقتوں کو کھلے عام لوٹ مار اور دنگا فساد کرنے کی اجازت دے رکھی تھی' بلکہ بیرونی طالع آزما حکمرانوں کو بھی دہلی اور اہل دہلی کو لوٹنے اور تاراج کرنے کے لیے اکسایا تھا۔ نادر شاہ کے وحشی سپاہیوں کے ہاتھوں دہلی میں ایک لاکھ انسان قتل ہوئے تھے۔ ان تخریبی طاقتوں نے میر درد کی دیدہ بینا کے لیے زندگی کی بے ثباتی' انسانی شان و شوکت کی بے وقعتی' انسانی تمناؤں کی شکستگی کا سروسامان مہیا کر دیا تھا۔ چنانچہ خواجہ میر درد جن کا دل لذت آشنائے درد تھا' اپنے معاشرے کی زبوں حالی پر تڑپ اٹھے' اور اس کا دکھ درد ان کے شعروں میں دوڑنے پھرنے لگا۔ کہتے ہیں:

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لیے ہم آئے تھے سو ہم کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے، کدھر چلے

درد ایک خاص ڈگر پر چلنے والی بے کیف زندگی کو زندگی نہیں جانتے، فرماتے ہیں:

آ جائے ایسے جینے سے اپنا تو جی تنگ
آخر جیے گا کب تلک، اے خضر! مر کہیں

درد ایک درویش صفت انسان تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ گوشت پوست کے بھی انسان تھے۔ اس لیے لالہ و گل اور ساقی و صہبا سے چھیڑ چھاڑ کرنا ان کا حق تھا۔ فرماتے ہیں:

کبھی خوش بھی کیا ہے جی کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی! ہمارا اور گلابی کا

بے شبہ درد کو تصوف سے لگاؤ تھا، لیکن ہمیں ان کے کلام میں جذب و مستی اور کیف و نشاط کی وہ شراب نہیں ملتی جس سے اصغر گونڈوی یا عراقی کا کلام معمور ہے۔

درد نے جہاں اردو زباں میں شعر کہے، جو اپنی تاثیر، سادگی اور متانت کی وجہ سے شعر و ادب کے حلقوں میں پسند کئے گئے، وہاں انہوں نے فارسی زباں میں بھی رباعیات کہیں، جو ان کے بہ قول ان کی اپنی فکر رسا کا نتیجہ نہیں،

بلکہ القائے ربانی ہیں جن میں اسرار و رموز' رباعیات کے روپ میں ان کے قلب میں جلوہ گر ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فارسی کلام کا نام الواردات رکھا' جن کی انہوں نے "علم الکتاب" کے نام سے فارسی میں شرح لکھی' اور اسے الہامی قرار دیا۔

علم الکتاب کا ماخذ دراصل نالہ عندلیب ہے' جو ان کے والد اور مرشد خواجہ ناصر عندلیب کے قلم سے ہے۔ خود خواجہ ناصر اپنے کلام کو علم لدنی کا حصہ سمجھتے ہیں اور حضرت حسنؓ کے روحانی فیض کا کرشمہ۔ اس سلسلے میں خود خواجہ درد نے ایک کہانی بیان کی ہے' لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کے والد (خواجہ ناصر عندلیب) ایک ہفتے تک اپنے خاص حجرے سے باہر نہ آئے اور اس عالم رنگ و بو (عالم ناسوت) سے ان کا تعلق ٹوٹا رہا۔ ایک ہفتے کے بعد حجرے کا دروازہ کھولا تو مجھے (درد) نالہ و بکا کرتے ہوئے پایا۔ فرمایا: اے محمدی! قلق و اضطراب مکن' بلکہ شادی و خوش نما کہ سبحانہ ما محمدیان را بعجب عنایت خاص نواختہ" (اے محمدی! پریشان مت ہوئیے' بلکہ خوش ہوئیے' کیوں کہ ہم محمدیوں کو اللہ پاک نے اپنی خاص نظر عنایت سے نوازا ہے)

خدا کے خاص لطف و کرم کا ذکر کرتے ہوئے خواجہ ناصر نے کہا کہ خلوت میں حضرت حسنؓ کی مقدس روح نے نزول اجلال فرمایا' اپنے روحانی فیوض سے نوازا اور فرمایا کہ ان --- فیوض کو بندگان خدا کے لیے عام کر دو۔ اس پر خواجہ ناصر نے حضرت حسنؓ سے اس بات کی اجازت چاہی کہ اس سلسلہ رشد و ہدایت کو سلسلہ حسنؓ کے نام سے پکارا جائے۔ "بیٹے! یہ ہمارا نہیں دوسروں کا کام ہے۔ ہم تمام لوگ بحر عینیت میں گم ہیں اور غریق سمندر' ہمارا نام' ہماری پہچان' ہماری دعوت' غرضیکہ سب کچھ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس راہ کو طریقہ محمدیہؐ کہا جائے۔ ہم نے اس طریق محمدیؐ میں اپنی طرف سے کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں کیا۔" حضرت حسن نے جواب میں فرمایا۔ (علم الکتاب' دہلی'

۱۳۰۸ھ، ص ۸۵ (ط انصاری)

القصہ درد نے "علم الکتاب" کو علم الٰہی کا صحیفہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ان کے والد نے اپنے کلام کو علم لدنی کا حصہ تصور کیا ہے۔ درد نے اپنے والد کو نئی "روحانی جماعت" کا امیر المحمدیین کہا ہے اور خود کو پہلا محمدی (اول المحمدیین) قرار دیا ہے۔ اپنی جماعت کی روحانی برتری کا تذکرہ کرتے ہوئے درد لکھتے ہیں کہ ان کے عہد کے علمی اور روحانی گروہ اپنی منزل سے دور ہیں۔ ان کی نظر میں فلسفی (حکماء) جو عقل کی راہ پر چلتے ہیں اور اپنی فہم و دانش کی پیروی کرتے ہیں، انبیا اور اولیاء کی باطنی واردات پر جو ہوش و حواس اور ظاہری فہم و دانش کے دائرۂ ادراک سے باہر ہیں، یقین نہیں رکھتے اور ان کے واردات کے بارے میں شک و شبہ کا شکار ہوتے ہیں۔ رہی بات صوفیہ کے اصطلاحی علم کی، جسے وہ تصوف سے تعبیر کرتے ہیں، تو اس عہد میں جاہلوں نے تصوف کے جو معنی مشہور کر رکھے ہیں، وہ مہمل اور بے معنی باتیں ہیں، جو الحاد و زندقہ کے سوا کچھ اور نہیں۔ ان بیچاروں کو جو خود کو گروہ صوفیہ میں شمار کرتے ہیں۔ معرفت و تحقیق سے کیا تعلق۔" درد نے اپنے نئے روحانی گروہ "محمدیان" کو "خالص علم حقیقی" کا وارث قرار دیتے ہوئے اپنے عہد کے مدعیان علم (فلسفی، اہل کلام، اہل تصوف) کو اصحاب غفلت اور اہل حجاب قرار دیا ہے۔ اور اپنی تحریر (علم الکتاب) کو لوح محفوظ یا ام الکتاب کا ایک عکس، قرآن و حدیث کی تفسیر و تاویل اور نالہ ء عندلیب کی تشریح و تفصیل قرار دیا ہے۔ القصہ خواجہ درد نے اپنے کلام کو جو الہامی کلام کہا ہے، وہ ہماری تاریخ کی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس قسم کے دعوے متعدد علماء اور صوفیاء نے کیے ہیں۔ کچھ تعجب نہیں کہ انہوں نے اخلاص سے اپنے بارے میں ایسا ہی محسوس کیا ہو، لیکن ان کے کلام کی ناہمواری، طرز بیان کی پیچیدگی سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا احساس صحیح نہیں تھا؟ علم الکتاب کا اسلوب بیان وقت کے عام اسلوب سے

مختلف نہیں ہے، مثلاً وارد سیوئم میں لکھتے ہیں "بیان وجود و اعیان و تحقیق مراتب وجود بشرط شئی، بشرط لا شئی و لا بشرط شئی" (علم الکتاب ص ۱-۸-۱۳) یہ منطقی اسلوب بیان صوفیہ کا نہیں، بلکہ ان لوگوں کا ہے، جن کا علم ایسا غوجی، تہذیب المنطق یا سلم العلوم کے سانچوں میں ڈھلا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی روحانی جماعت "المحمدیین" کے لیے وہی کچھ ثابت کیا ہے جو دوسرے اصحاب کشف و کرامت اپنی جماعت کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بات حسن بصری، ائمہ کرام، ابوالقاسم القشیری، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن خلدون یا البیرونی کے کلام میں نظر نہیں آتی، چنانچہ ہمیں جس طرح درد کے اردو کلام میں آمد کے ساتھ ساتھ آورد بھی ملتی ہے۔ اسی طرح ان کی نثر میں بھی آورد ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ القاء اور آورد ایک جگہ اکٹھے نہیں ہوتے۔

مقام مسرت ہے کہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ اہل علم کے سامنے پہلی بار، درد کی علم الکتاب کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ فاضل مترجم بہ وجوہ نہ تو علم الکتاب میں وارد آیات کریمہ کی تخریج اور نہ ہی ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی اشعار کو نقل کر سکے تھے۔ ہم نے ان دونوں باتوں کو کتاب کے آخر میں درج کر کے نشر و اشاعت سے وابستہ صحت مند روایات کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں خاکسار ڈاکٹر محمد صدیق شبلی کا خاص طور پر ممنون ہے، جنہوں نے پورے ترجمے پر نظر ثانی فرمائی اور اس کی خامیوں کو دور کر کے اسے قابل اشاعت بنانے کے لیے ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی امداد فرمائی۔

رشید احمدؒ (جالندھری)